ہندوستانی اُلجھنوں کا آسان ترین حل

از

سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

ہندوستانی اُلجھنوں کا آسان ترین حل

(فرمودہ یکم مئی ۱۹۴۷ء بعد نماز مغرب)

کل صبح کی نماز کے وقت جب میری آنکھ کھلی تو میری زبان پر یہ عربی کا مصرع جاری ہوا کہ

فَاِنۡ کَانَ فِی الۡاِسۡلَامِ حَقٌّ فَاَظۡہِرِ

فَاَظۡہِرِ اصل میں فَاَظۡہِرۡ ہے جو بوجہ الف کے متحرک کیا گیا ہے اور فَاَظۡہِرۡ کے معنی ہیں غالب کر کیونکہ اَظۡھَرَ عَلٰی عَدُوِّہٖ کے معنی دشمن پر غالب کرنے کے ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے فَاِنۡ کَانَ فِی الۡاِسۡلَامِ حَقٌّ کو نکرہ بیان فرمایا۔ تنوین کے کئی معنی ہوتے ہیں، تنوین تعظیم کے لئے بھی آتی ہے اور تحقیر کے لئے بھی۔ پس حق کے معنی کچھ حق بھی ہو سکتے ہیں اور بہت بڑے حق کے بھی۔ اگر حق کے معنی تحقیر کے لئے جائیں تو اسلام سے اشارہ اِس وقت کے مسلمانوں کے اسلام کی طرف ہوگا اور مراد یہ ہوگی کہ مسلمان خواہ اسلام سے کتنے دور جا پڑے ہیں مگر دعویٰ اسلام میں ذرا بھی صداقت ہو تو اس کی صداقت کی خاطر ان کو غلبہ دے اور ان کے مغلوب ہونے سے اسلام کو مغلوب ہونے کا جو خطرہ ہے اُس سے اِسے محفوظ رکھ۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں خود اِس دعا کی طرف متوجہ کیا ہے کہ اے خدا! اسلام کو لوگوں نے خواہ کتنا ہی بگاڑ دیا ہے اور اسلام کے مسائل کو کتنا ہی توڑ مروڑ دیا ہے اور اسلام کے اندر کتنے ہی رخنے واقع ہو چکے ہیں پھر بھی اے خدا! اگر اسلام کے اندر کچھ بھی سچائی موجود ہے تو یہ مستحق ہے اس بات کا کہ اس کو دوسرے تمام ادیان پر غلبہ عطا فرمایا جائے اور اسلام کے خلاف دوسرے ادیانِ باطلہ کی جو جدو جہد شروع ہے اس کو ناکام فرمایا جائے اور اسلام کی فوقیت کو ظاہر فرمایا جائے۔ خدا تعالیٰ

جب خود کوئی دعا سکھاتا ہے اور رؤیا یا الہام میں اپنے بندوں کو اس کی طرف متوجہ کرتا ہے تو اس میں یہ بھید ہوتا ہے کہ وہ اس دعا کو ضرور قبول فرمانا چاہتا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ ہمیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ بشارت ملی ہے اور امید دلائی گئی ہے کہ اگر ہم خدا تعالیٰ کے حضور اِس قسم کی دعائیں مانگیں گے تو وہ ضرور پوری ہوں گی۔

آج جو جمعرات کا روزہ گزر رہا ہے یہ سات روزوں میں سے آخری تھا اور جن لوگوں نے پورے روزے رکھے ہیں ان کے روزے آج ختم ہو گئے ہیں۔ بعض مجبوریوں کی وجہ سے رہ بھی گئے ہوں گے، میرے بھی کچھ روزے سفر کی وجہ سے رہ گئے ہیں بہرحال جماعت کے جن لوگوں کو خدا تعالیٰ نے توفیق بخشی ہے انہوں نے ساتوں روزے پورے رکھے ہیں اور دعائیں بھی کرتے رہے ہیں، اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ وہ ہماری دعاؤں کے بدلے میں اپنے فضل نازل فرمائے گا۔

ہندوستان کے موجودہ حالات اس قسم کے ہیں کہ لوگوں کے دلوں میں سکینت اور طمانیت نہیں اور عوام کے اندر سخت بے چینی اور اضطراب پایا جاتا ہے۔ میں نے جہاں تک ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ پر غور کیا ہے میں اِس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ہندوستانیوں کے ساتھ بھیڑ اور بکری کا سا سلوک ہو رہا ہے۔ جو شخص اُٹھتا ہے خواہ یورپین مدبر ہو یا ہندوستانی لیڈر وہ سمجھتا ہے کہ وہی ایک عقلمند ہے عام ہندوستانیوں کے دماغ معطل ہو چکے ہیں اور پھر ساتھ ہی وہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ وہ جو بھی فیصلہ کرے ہندوستانیوں کو اُسے بِلا پس و پیش مان لینا چاہئے اور اُس کے ساتھ ذرا بھی اختلافاتِ رائے رکھنے کی جرأت نہ کریں اور وہ یہاں تک دعویٰ رکھتا ہے کہ اُس کا فیصلہ ہندوستانیوں کو ضرور قبول کرنا چاہئے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں جہاں تک حُریّت کا سوال ہے اس میں تمام دنیا کے انسان برابر ہیں اور حُریّت ہر شخص کا پیدائشی حق ہے۔ جتنا احساس حُریّت کا ایک انگریز یا فرانسیسی کو ہے اور جتنا احساس حُریّت کا ایک جرمن یا امریکن کو ہے اور جتنا احساس حُریّت کا مسٹر گاندھی اور پنڈت نہرو کو ہے اُتنا ہی احساس ایک عام ہندوستانی کو بھی ہے اور جب ایک عام ہندوستانی کے دل میں بھی اتنا ہی احساس موجود ہے جتنا کہ انگریز، جرمن، فرانسیسی یا امریکن کے دل میں یا ایک مقبولِ عوام ہندوستانی لیڈر کے دل میں تو پھر ان

ممالک کے کسی زید اور بکر کو یا ہندوستان کے کسی بڑے لیڈر کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ ہندوستانیوں کے حقوق کے متعلق فیصلہ کرنے بیٹھ جائے اور ہندوستان کی آزادی کے مسئلہ پر بحث کرنے لگ جائے کہ فلاں بات یوں نہیں بلکہ یوں ہونی چاہئے۔ مگر آجکل ہندوستانیوں کی آئندہ قسمت کا فیصلہ اکثر دوسری اقوام کرنا چاہتی ہیں اور گھر بیٹھے اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہی ہیں گویا وہ یہ سمجھتی ہیں کہ ہندوستانی آزادی کی قدر و قیمت کو نہیں سمجھتے یا ان کے دلوں سے حریت کے متعلق جتنے احساسات اور جذبات ہیں وہ معطل یا مفقود ہو چکے ہیں۔ انگریز کہہ رہے ہیں کہ ہم نے ہندوستانیوں کے مسئلہ کے حل کے لئے ایک بڑا اجری، بڑا دلیر، بڑا مدبر، بہت بڑا سیاستدان اور بہت ہی دیانتدار آدمی بھیجا ہے۔ یہ سب کچھ درست ہے لیکن میں کہتا ہوں کہ کیا انگلستان کے عوام الناس اِس بات کو برداشت کر سکتے ہیں کہ ان کی آزادی کے مسائل کے حل کے لئے کوئی مدبر بھیج دیا جائے۔ وہ یہی کہیں گے کہ ہم خود آزادی کی قدر و قیمت کو سمجھتے ہیں اور ہمارے اندر اتنی اہلیت موجود ہے کہ ہم ان مسائل کو حل کر سکیں جاؤ تم اپنا کام کرو۔ پس جہاں تک آزاد قوموں کا سوال ہے وہ اِس قسم کی باتوں کو برداشت کرنے کے لئے کبھی تیار نہیں ہوسکتیں کہ اُن کا فیصلہ کوئی اور کرتا پھرے مگر آج ہندوستانیوں کے متعلق وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم نے ایک جری، دلیر، مدبر، دیانتدار اور سیاستدان جرنیل کو بھیجا ہے جو ہندوستانی لیڈروں سے مل کر ہندوستان کے متعلق فیصلہ کرے گا۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ہندوستان کی قسمت کے فیصلہ میں خود ہندوستانی عوام کا کیا دخل ہوگا؟ کیا انگلستان کی عورتیں اس بات کو تسلیم کر لیں گی کہ بڑے بڑے مدبر اور سیاستدان لوگ ان کے متعلق یہ فیصلہ کرنے بیٹھ جائیں کہ فلاں عورت فلاں شخص کو اپنا خاوند بنائے گی اور فلاں عورت فلاں کو اپنا خاوند تسلیم کرے گی؟ کیا انگلستان کے مرد اس بات کو تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ مدبر، جری اور دلیر لوگ ان کے متعلق یہ فیصلہ کریں کہ فلاں شخص صرف فلاں عورت سے شادی کر سکتا ہے؟ اس کا جواب کبھی مثبت میں نہیں ہوسکتا۔ پھر جب انگلستان، فرانس، جرمن اور امریکہ کی عورتیں یہ برداشت نہیں کر سکتیں کہ دوسرے عُقَلاء اور مدبّر اِن کے لئے خاوند تجویز کریں اور خاوند اِس بات کو تسلیم کرنے کے لئے تیار نہیں کہ دوسرے عُقَلاء اور مدبّرین ان کے لئے بیویاں تجویز کریں تو وہ ہندوستان کے لوگوں کے متعلق یہ کس طرح خیال کر

سکتے ہیں کہ وہ حریت کے مسئلہ میں ان کی رائے سے متفق ہو جائیں گے۔مگر حیرت کی بات ہے کہ ایسا ہو رہا ہے اور اس طرح ہو رہا ہے کہ ساتھ ہی ہندوستانیوں کو یہ کہا جا رہا ہے کہ ہم نے بڑی شفقت، ہمدردی اور عنایت تم پر کی ہے کہ ایک مدبر اور دیانتدار جرنیل تمہارے مسئلہ کے حل کے لئے بھیجا ہے اور یہ دعویٰ کرنے والی وہ قوم ہے جو دن رات حریت اور جمہوریت کا ڈھنڈورا پیٹتی رہتی ہے۔کیا حریت اور جمہوریت کے یہی معنٰی ہیں کہ چالیس کروڑ ہندوستانیوں کی قسمت کو ایک غیرملکی کے سپرد کیا جائے؟ جو چند خود ساختہ لیڈروں سے مل کر ایک فیصلہ کر دے، کیا ہندوستانی سیاست کے مسائل کو سمجھنے کی اہلیت نہیں رکھتے؟ کیا ہندوستانی عقل اور دماغ نہیں رکھتے؟ کیا ہندوستانی اس قابل نہیں ہیں کہ وہ اپنی قسمت کا آپ فیصلہ کرسکیں؟ کیا ایک جمہوریت پسند قوم کو یہ بات زیب دیتی ہے کہ وہ ہندوستانیوں کے ساتھ بھیڑ یا بکری کا سا سلوک کرے؟

قاعدہ یہ ہونا چاہئے کہ جس ملک یا علاقہ کی آواز کا صحیح طور پر پتہ لگ سکے وہاں کے ہر ضلع اور ہر تحصیل کے لوگوں سے پوچھ لیا جائے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور جہاں شبہ والی بات ہو وہاں ریفرنڈم کرلیا جائے۔ میرے نزدیک ایسا ہونا چاہئے کہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسلمان اپنے حقوق مانگنے میں حق پر ہیں تو ان کو اُن کے حقوق دیئے جائیں اور اگر ہندوؤں کے مطالبات جائز ہیں تو ان کے مطالبات تسلیم کر لئے جائیں لیکن کسی قوم کے حقوق کے متعلق کسی دوسرے کو فیصلہ کرنے کا حق کہاں سے پہنچتا ہے اور بالخصوص مسلمانوں کے ساتھ جو سلوک ہو رہا ہے وہ کس طرح روا ہو سکتا ہے۔ جب مسلمانوں کے کان ہیں، آنکھیں ہیں، دماغ ہیں، عقل رکھتے ہیں، سوچ اور سمجھ سکتے ہیں اور ان تمام باتوں میں وہ کسی سے بھی پیچھے نہیں ہیں اور یہی حال ہندوؤں، سکھوں کا ہے پھر کیوں عوام سے اہم امور میں رائے طلب کر کے فیصلہ نہ کیا جائے۔

پنجاب کا سوال ہی لے لو۔ پنجاب میں مسلمانوں کی اکثریت ایک مسلّمہ امر ہے اور وہ پنجاب کے جن اضلاع میں اپنی اکثریت کے لحاظ سے حقوق مانگ رہے ہیں ان کے مطالبات بالکل جائز اور درست ہیں پھر کیا وجہ ہے کہ ان کو حقوق دینے میں تأمل سے کام لیا جاتا ہے؟ پنجاب کے جن اضلاع میں مسلمان اکثریت رکھتے ہیں ان کے پاس اپنے حقوق کو منوانے کے

لئے کافی وجوہ موجود ہیں۔ ہاں پنجاب کے بعض اضلاع ایسے بھی ہیں جن میں سے بعض میں ہندو اکثریت میں ہیں۔ پنجاب میں لاہور کے مغرب کی طرف جتنے اضلاع ہیں ان میں مسلمانوں کی اکثریت ہے اور لاہور کے مشرق کی طرف علاوہ گورداسپور کے پانچ تحصیلیں ایسی ہیں جن میں مسلمانوں کو قطعی اکثریت حاصل ہے اور بعض تحصیلیں ایسی ہیں کہ مسلمان، ہندو اور سکھوں کی مجموعی تعداد سے تو زیادہ ہیں لیکن غیر مسلم آبادی میں مسلمان تھوڑے ہیں کیونکہ اچھوت اگر ہندوؤں کے ساتھ ہوں تو ہندوؤں کی اکثریت ہوگی اور اگر اچھوت مسلمانوں کے ساتھ ہوں تو اکثریت مسلمانوں کی ہوگی اس صورت میں اچھوتوں سے پوچھا جانا ضروری ہے کہ تم کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہو؟ اگر وہ کہیں کہ ہم ہندوؤں کے ساتھ ملنا چاہتے ہیں تو انہیں ہندوؤں کے اکثریت والے علاقہ میں بھیج دیا جائے اور اگر وہ مسلمانوں کے ساتھ ملنا چاہیں تو انہیں مسلمانوں کے علاقہ میں بھیج دیا جائے۔ اچھوت اِس وقت شاملاتِ دیہہ کی حیثیت میں سمجھے جا رہے ہیں اور ان کو ان کی مرضی پوچھے بغیر ہندوؤں یا مسلمانوں کی اکثریت والے علاقہ میں بھیجا جا رہا ہے حالانکہ یہ انصاف کے خلاف ہے۔ کیا وجہ ہے کہ جمہوریت کا دعویٰ کیا جائے اور اچھوتوں یا عیسائیوں سے ان کی مرضی نہ پوچھی جائے۔ آخر وہ کونسا قانون ہے جو اِسے جائز قرار دیتا ہو کہ مسلمان خواہ ہندو، سکھ سے زیادہ ہو اسے اس لئے اقلیت قرار دے دیا جائے کہ اچھوت جن کی مرضی بالکل نہیں دریافت کی گئی سکھ، ہندو سے ملکر انہیں مسلمانوں سے زیادہ کر دیتے ہیں حالانکہ قاعدہ یہ ہونا چاہئے کہ جہاں ہندو، سکھ اور مسلمانوں کی آبادی قطعی اکثریت نہ رکھتی ہو وہاں اقلیتوں سے پوچھا جائے کہ وہ کس سے ملنا چاہتی ہیں۔ یہ ایسی سیدھی سادی بات ہے جس کے لئے نہ کسی انگریز مدبر کی ضرورت ہے، نہ فرانسیسی کی اور نہ جرمن سیاستدان کی ضرورت ہے اور نہ امریکن کی۔ مگر حالت یہ ہے کہ دوسرے لوگ ہندوستان کے متعلق اپنی اپنی رائیں قائم کر رہے ہیں اور پوشیدہ مشورے ہو رہے ہیں جیسے پُرانے زمانہ میں گھوڑوں کے سَودے ہوا کرتے تھے کہ چادر ڈال کر دو آدمی ایک دوسرے کی ہاتھ کی انگلیاں چھوتے تھے اور سَودا پردے کے اندر ہی طے ہو جاتا تھا اِس طرح ہندوستان کے متعلق بھی چادر ڈال کر پردے کے اندر سَودے ہو رہے ہیں۔ ان لوگوں سے کوئی پوچھے بھلا تمہارا کیا حق ہے

کہ تم اس طرح کے سَودے کرتے پھرو اور لال بجھکڑ کی طرح اپنی کاریگری دکھاتے پھرو۔

آجکل سرحد کے مسئلہ پر گرم گرم بحثیں ہو رہی ہیں ایک فریق کہتا ہے ہم مسلم لیگ کی فوقیت چاہتے ہیں، دوسرا فریق کہتا ہے ہم کانگرس کی فوقیت کے خواہاں ہیں، پچھلے دنوں سرحد میں جتنے الیکشن ہوئے ہیں ان میں اصول کا سوال نہ تھا بلکہ پس پردہ شخصیتوں کا سوال تھا یعنی گو ظاہر میں کچھ بھی تھا اصل میں لوگ یہی سمجھ رہے تھے کہ ہم سے یہ پوچھا جا رہا ہے کہ تم خان عبدالغفار خان کو ووٹ دو گے یا خان عبدالقیوم خاں کو مگر سرحد کے معاملہ کی نوعیت بالکل بدل چکی ہے اب سوال یہ ہے کہ کیا صوبہ سرحد ہندوؤں کے ساتھ مل کر رہنا چاہتا ہے یا مسلمانوں کے ساتھ مل کر۔ اب اس بات کا علم ریفرنڈم کے ذریعہ سے ہی ہو سکتا ہے اگر ایسا ہو تو سرحد کی اکثریت یہی کہے گی کہ ہم مسلمان علاقوں سے مل کر رہنا چاہتے ہیں لیکن مسلم لیگ اور خدائی خدمت گار کے پلیٹ فارم پر الیکشن لڑا جائے تو شاید اب بھی پٹھان اپنے عندیہ کو صحیح طور پر بیان نہ کر سکے گا کیونکہ ایک جزوی اور غیر اہم سوال سمجھ کر وہ اپنے سابق لیڈروں یعنی خان برادران کو چھوڑنے کو تیار نہ ہو۔ درحقیقت جب تک کہ سوال اسلامی علاقوں سے ملاپ یا ہندو علاقوں سے ملاپ کا نہ ہو ووٹ آدمیوں کے حق میں ہوں گے نہ کہ حکومت کے حق میں اور جب کبھی احسان کا معاملہ ہو گا ووٹ محسن کے حق میں دیا جائے گا لیکن جب سوال اصول کا ہو گا تو ووٹ کا رنگ اور ہو گا۔

حضرت سید عبدالقادر جیلانیؒ خود حنبلی تھے مگر حنفی ان کے اتنے معتقد ہیں کہ ان کو خدا کا درجہ دیتے ہیں اور ان کے نام کی نیازیں دیتے ہیں۔ ہمارے نانا جان مرحوم کا واقعہ ہے اُنہوں نے کسی حنفی سے جو بڑے اہتمام اور التزام کے ساتھ گیارھویں کی نیاز دیا کرتا تھا پوچھا تم سید عبدالقادر جیلانیؒ کے اتنے عاشق بنتے ہو اور اُن کے نام کی گیارھویں دیتے ہو مگر ان کا مذہب تو حنبلی تھا اور تمہارا مذہب حنفی؟ کہنے لگا ان کا مذہب اپنا اور میرا مذہب اپنا۔

اسی طرح کا ایک واقعہ مشہور ہے کہ سید عبدالقادر جیلانیؒ کے پاس اُن کا کوئی مرید آیا اور کہا میرا بیٹا سخت بیمار ہے آپ اس کی صحت کے لئے دعا کریں لیکن آخر اس کا بیٹا مر گیا تو وہ شکایت لے کر آپ کے پاس آیا اور کہا حضور اتنے دن آپ سے دعائیں کرائیں اور میرا بیٹا پھر بھی نہ بچ سکا۔ سید صاحب کو غصہ آیا اور کہا اچھا یہ بات ہے لاؤ میرا سوٹا۔ سوٹا لیا اور آسمان کی

طرف چڑھ گئے۔عزرائیل نے جب پیچھے مڑ کر دیکھا کہ سید صاحب میرے تعاقب میں آرہے ہیں تو اُس نے بے تحاشہ بھاگنا شروع کر دیا مگر ابھی عزرائیل خدا کے پاس پہنچ نہ پایا تھا کہ سید صاحب نے جالیا اور اِس زور سے سوٹا مارا کہ عزرائیل کا ٹخنہ ٹوٹ گیا اور اس سے زنبیل چھین کر سب مُردہ روحوں کو آزاد کر دیا۔ وہ گرتا پڑتا خدا کے پاس پہنچ گیا اور شکایت کی کہ حضور میرے ساتھ ایسا ایسا معاملہ ہوا ہے کیونکہ میں نے فلاں لڑکے کی روح قبض کی تھی۔ خدا تعالیٰ نے فرمایا چپ چپ! اگر عبدالقادر نے سن لیا اور اُس نے آج تک کی تمام روحیں زندہ کر دیں تو پھر میں نے اور تم نے کیا کر لینا ہے۔غرض سید عبدالقادر اُس لڑکے کی روح کو لے کر واپس آئے اور لڑکے کو زندہ کر دیا۔ اب اس قسم کے من گھڑت قصے سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کی طرف منسوب کئے جاتے ہیں کہ سن کر حیرت آتی ہے۔

اس طرح کا ایک اور قصہ بھی ہے ایک دفعہ قادیان میں غیر احمدی مولویوں نے جلسہ کیا اور اس جلسہ میں ایک غیر احمدی مولوی نے بڑے جوش اور زور شور کے ساتھ ایک تقریر کی اور کہا مرزا صاحب نبی بنے پھرتے ہیں مرزا صاحب کے معجزے بھی بھلا کوئی معجزے ہیں معجزہ تو یہ ہوا کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کے پاس کوئی شخص مرغ پکا کر لایا تو آپ نے کھا کر اس سے کہا اَلْحَمْدُلِلّٰہِ تم نے مجھ پر احسان کیا ہے مگر ہم تمہیں بھی تمہارے احسان کا بدلہ دیتے ہیں یہ کہہ کر انہوں نے مرغ کی ہڈیاں لیں اور ہاتھ میں پکڑ کر زور سے دبائیں اِس پر وہی مرغ کڑ کڑ کڑ کڑ کر کے اپنی اصلی حالت پر آ گیا۔ معجزہ تو اس کو کہتے ہیں مرزا صاحب کے معجزے بھی کوئی معجزے ہیں؟ اب اندازہ لگاؤ کہ سید عبدالقادر صاحب جیلانیؒ کا مذہب حنبلی تھا اور ان کو خدا سمجھنے والوں کا اپنا مذہب حنفی ہے اگر ان سے کوئی کہے کہ سید عبدالقادر صاحب کے عقائد اور تھے اور تمہارے عقائد اور ہیں تو وہ کہتے ہیں عقائد اور چیز ہیں اور اعتقاد اور چیز ہے اسی طرح اب تک سرحد کا فیصلہ شخصیتوں اور احسان پر ہوتا رہا، کبھی اس مسئلہ پر بحث نہیں کی گئی کہ تم لوگ ہندوؤں کے ساتھ رہنا چاہتے ہو یا مسلمانوں کے ساتھ؟ اگر آدمیوں کے نام پر ووٹ لئے جائیں تو وہ عبدالغفار خاں کی شخصیت اور اس کے احسانات کو مدنظر رکھتے ہوئے ووٹ دیں گے یا عبدالقیوم خاں کے احسانات اور تعلقات کی بناء پر لیکن اگر ان کے سامنے ہندو اور مسلم کے نام

رکھے جائیں تو یقیناً اکثریت ایسے لوگوں کی ہوگی جو مسلم علاقہ کے ساتھ رہنے کو تیار ہوں گے۔ احسان ایک ایسی شَے ہے جو آدمی کی آنکھیں نیچی کر دیتا ہے۔

رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم جب خانہ کعبہ کے طواف کے لئے تشریف لے گئے تو کفارمکہ نے خبر پا کر اپنے ایک سردار کو آپ کی طرف روانہ کیا کہ وہ جا کر کہے کہ اس سال آپ طواف کے لئے نہ آئیں۔ وہ سردار آپ کے پاس پہنچا اور بات چیت کرنے لگا۔ بات کرتے وقت اس نے آپ کی ریشِ مبارک کو ہاتھ لگایا کہ آپ اس دفعہ طواف نہ کریں اور کسی اگلے سال پر ملتوی کر دیں، ایشیاء کے لوگوں میں دستور ہے کہ جب وہ کسی سے بات منوانا چاہتے ہوں تو منت کے طور پر دوسرے کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگاتے ہیں یا اپنی ڈاڑھی کو ہاتھ لگا کر کہتے ہیں کہ دیکھو! میں بزرگ ہوں اور قوم کا سردار ہوں میری بات مان جاؤ، چنانچہ اس سردار نے بھی منت کے طور پر آپ کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگایا۔ یہ دیکھ کر ایک صحابی آگے بڑھے اور اپنی تلوار کا ہتھہ مار کر سردار سے کہا اپنے ناپاک ہاتھ پیچھے ہٹاؤ۔ سردار نے تلوار کا ہتھہ مارنے والے کو پہچان کر کہا تم وہی ہو جس پر میں نے فلاں موقع پر احسان کیا تھا یہ سن کر وہ صحابی خاموش ہوگئے اور پیچھے ہٹ گئے۔ سردار نے پھر منت کے طور پر آپ کی ڈاڑھی کو ہاتھ لگایا صحابہؓ کہتے ہیں کہ ہمیں اس سردار کے اس طرح ہاتھ لگانے پر سخت غصہ آرہا تھا مگر اُس وقت ہمیں کوئی ایسا شخص نظر نہ آتا تھا جس پر اُس سردار کا احسان نہ ہو اور اُس وقت ہمارا دل چاہتا تھا کہ کاش! ہم میں سے کوئی ایسا شخص ہوتا جس پر اس سردار کا کوئی احسان نہ ہو۔ اتنے میں ایک شخص ہم میں سے آگے بڑھا جو سر سے پاؤں تک خود اور زِرہ میں لپٹا ہوا تھا اور بڑے جوش کے ساتھ سردار سے مخاطب ہو کر کہنے لگا ہٹا لو اپنا ناپاک ہاتھ۔ یہ حضرت ابو بکرؓ تھے سردار نے جب اُن کو پہچانا تو کہا ہاں میں تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتا کیونکہ تم پر میرا کوئی احسان نہیں ہے۔[1]

پس جب احسان کا سوال ہو تو ووٹ ہمیشہ محسن کی طرف ہی جائے گا لیکن جب مسئلہ کا سوال ہو تو لوگ دلیری سے کہہ سکتے ہیں کہ ہم فلاں طرف نہیں جانا چاہتے بلکہ فلاں طرف جانا چاہتے ہیں۔ اگر سرحد کے لوگوں سے یہ پوچھا جائے کہ تم مسلمانوں کے ساتھ رہو گے یا ہندوؤں کے ساتھ؟ تو وہ یقیناً یہی کہیں گے کہ ہم ہندوؤں کے ساتھ کیوں رہیں ہم تو مسلمانوں

کے ساتھ رہیں گے۔ لیکن جب عبدالغفار خاں اور عبدالقیوم خاں کا نام آ جائے تو چاہے وہ دل میں عبدالقیوم خاں کا ساتھ دینا چاہتے ہوں لیکن عبدالغفار خاں کے احسانات کے پیش نظر وہ عبدالغفار خاں کا ساتھ دیں گے اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ صرف ایک ہی سوال پر حل ہوسکتا ہے اور اس کے لئے کسی لمبی چوڑی جدوجہد کی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح وہ علاقے جن میں مسلمان اقلیت میں ہیں ان میں بھی اگر دیانتداری کے ساتھ جھگڑوں کو نپٹانے کی کوشش کی جائے تو تمام جھگڑے مٹ سکتے ہیں۔ اس غرض کیلئے اگر انتقالِ آبادی کی ضرورت ہو تو اس پر بھی عمل کیا جا سکتا ہے اور یہ اتنی سیدھی سی بات ہے کہ ایک ہل چلانے والا زمیندار بھی بڑی آسانی کے ساتھ سمجھ سکتا ہے مگر یہ مسئلہ صرف اس لئے حل نہیں ہو رہا کہ اسے نفسیاتی رنگ میں حل نہیں کیا جاتا اور اس کیلئے علمی فارمولے ڈھونڈے جا رہے ہیں اور لمبی چوڑی تجاویز اس کے متعلق ہو رہی ہیں۔

مجھے جو یہ الہام ہوا کہ فَاِنْ کَانَ فِی الْاِ سْلَامِ حَقٌّ فَاَظْهِر اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کچھ نہ کچھ خطرات اسلام کو درپیش ہوں گے مگر ایک حد تک مسلمانوں کے حقوق انہیں ضرور مل جائیں گے۔ ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور یہ دعا کرنی چاہئے کہ اے خدا! اگر اسلام فی الواقعہ تیرا سچا مذہب ہے اور ضرور ہے تو یہ مستحق ہے اِس بات کا کہ اسے تو دوسروں پر غلبہ عطا فرما۔

(الفضل ۱۱؍جون ۱۹۴۷ء)

۱؎ بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجهاد ......(الخ)